شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ **رحیمیہ** لاہور

**مجلس ادارت**

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

ستمبر 2019ء / ذوالحجہ، محرم الحرام 41-1440ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 9 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

## ترتیبِ مضامین


- تمام مُعاشی وسائل کُل انسانیت کے لیے ہیں
- یتیم کی کفالت کا اَجر
- حضرت عثمان بن عفانؓ اور معاشی وسائل
- مسئلۂ کشمیر! سیاسی بصیرت کا متقاضی ہے!
- وُزرا اور معاونین کا طریقۂ تربیت اور شعبے
- خلافتِ بنواُمیہ؛ ترقی وفتوحات کا دور
- قسمت کا مارا خطہ
- پاک امریکا تعلقات کی نئی بساط اور حالیہ تقاضے
- جمعۃ المبارک اور اجتماعیت
- اجتماعی معاشی ترقی کے لیے دستاویزی معیشت ہونا ضروری ہے
- دستاویزی معیشت کے اصولوں کو نظرانداز کرنے کا پس منظر
- جمعہ کی اجتماعیت کا حقیقی مقصد
- ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ
- 'امامِ عزیمت' (منظوم)
- دینی مسائل


## ارشادِ گرامی

### حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''خدا کے ہاں سب سے بڑھ کر جو چیز مقبول ہے، وہ عجز (تواضع وانکساری پر مبنی حقیقت شناسی) ہے۔ عجز، درد (مندی) اور دل شکستگی (کمزوروں کی وجہ سے دل بھر آنا) بڑی چیز ہے۔ یہ درد، یہ شکستہ دلی، اس سے تو عجز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی، یعنی عجز کے اظہار کے لیے ہی تو پیدا کیا ہے اور اگر کوئی (آدمی) جدوجہد — جسے عبادت سے بھی تعبیر کرتے ہیں — بہت کرتا ہے، مگر یہ عجز اس میں نہ ہو تو تمام محنت (طریقت کی ریاضت) کسی کام کی نہیں اور اگر یہ ہو تو پھر زیادہ محنت کی بھی ضرورت نہیں۔''

(مجلس: ۶ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/ یکم دسمبر 1946ء، بروز: اتوار۔ مقام: لدھیانہ)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 35-234، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

www.rahimia.org

**رحیمیہ** ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

# تمام معاشی وسائل کُل انسانیت کے لیے ہیں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (29:2)

(وہی ہے، جس نے پیدا کیا تمھارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف، سوٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان، اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے۔)

گزشتہ آیت میں بتلایا گیا تھا کہ تم لوگ موت و حیات کے کئی مراحل سے گزرو گے۔ ان تمام مراحل میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اخلاص سے رجوع کیا جائے اور اس کی طرف سے خلافت کی مفوّضہ ذمہ داریوں کو درست طور پر پورا کرنے کی استعداد پیدا کی جائے۔ اس آیتِ مبارکہ میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ زمین کے تمام معاشی وسائل تمھارے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیات سے آسمان کی توانائیاں ان تمام زمینی وسائل سے استفادے کا موقع فراہم کررہی ہیں۔ آسمان اور زمین کی تخلیق انسانیت کے نفع کے لیے کی گئی ہے، تاکہ انسان زمین میں موجود معاشی وسائل کو استعمال میں لاکر اللہ کی خلافت کا نظام قائم کرے۔ اللہ کی عظمت اور جلالتِ شان اس دنیا میں قائم کرنے کے لیے کام کرے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ: خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے سیاسی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتماعی معاشی وسائل کی طاقت وقوت کے بغیر سیاسی طاقت وجود میں نہیں آتی۔ اس لیے خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے معاشی وسائل کی تخلیق اور ان میں تمام انسانوں کے لیے حق معیشت میں مساوات کا اعلان کیا جارہا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''جملہ اشیائے عالم بہ دلیل (اس) فرمان واجب الاذعان تمام بنی آدم کی مِلک معلوم ہوتی ہے، یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیا کی پیدائش سے دفعِ حوائج جملۂ ناس (تمام انسانوں کی حاجات کو پورا کرنا) ہے۔ اور کوئی شئے فی حد ذاتہٖ (ذاتی طور پر) کسی کی مملوکِ خاص (ذاتی ملکیت میں) نہیں، بلکہ ہر شئے اصل خلقت میں جملۂ ناس (تمام انسانوں) میں مشترک ہے۔ اور من وجہ (ایک طرح سے) سب کی مملوک ہے۔ ہاں! بوجہِ رفعِ نزاع (جھگڑا ختم کرنے) وحصولِ انتفاع (نفع اٹھانے کے لیے) قبضہ کو علتِ مِلک (ملکیت کا سبب) مقرر کیا گیا۔ جب تک کسی شئے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ (مستقل اور پورا قبضہ) باقی ہے، اس وقت تک کوئی اَور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا۔ ہاں! خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اَوروں (دوسروں) کے حوالے کردے۔ کیوں کہ بہ اعتبارِ اصل اَوروں (دوسروں) کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہورہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا، گو زکوٰۃ بھی ادا کردی جائے۔ انبیاؑ وصلحا اس سے بہ غایت مجتنب (انتہائی پرہیز کرتے) رہے۔ چناں چہ احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے، بلکہ بعض صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ بہرکیف غیر مناسب وخلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجہ (ضرورت سے زائد مال) سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں۔ اور اَوروں (دوسروں) کی مِلک مِن وجہ اس میں موجود۔ تو گویا شخص مذکور مِن وجہ مالِ غیر (دوسرے کے مال) میں قابض ومتصرف ہے۔ اس کا حال بعینہٖ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیے۔ وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے، مگر بہ وجہ ضرورت وحصولِ انتفاع بہ قدرِ حاجت ہر کوئی مالِ مذکور سے منتفع (فائدہ اٹھا) سکتا ہے۔ ہاں! حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا)۔'' (ایضاح الادلّہ، صفحہ 68)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین کے تمام معاشی وسائل تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ جو لوگ اقتدار پر قابض ہوکر معاشی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کرتے ہیں، وہ انسانیت پر ظلم کرتے اور فساد مچاتے ہیں۔ ایسے لوگ اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ انسانوں پر حکومت کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ زمین پر موجود تمام وسائل سے تمام انسان یکساں اور مساوی طور پر فائدہ اٹھائیں اور اپنی اجتماعی طاقت اور قوت پیدا کرکے قومی حکومت اور بین الاقوامی خلافت قائم کرنے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا کریں۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے زمین تخلیق کی۔ پھر سات آسمان بنائے۔ پھر ان کا بہترین نظم ونسق قائم کرنے کے لیے اپنی تجلی آسمانوں پر ڈالی۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ اس پوری کائنات کا نظام بہترین نظم ونسق کے تحت چلا رہا ہے، اسی طرح اللہ چاہتا ہے کہ زمین کے ایک محدود دائرے میں انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ بن کر اسی طرح کا نظم ونسق قائم کرے۔ عدل وانصاف، امن وامان اور معاشی خوش حالی، سیاسی طاقت اور قوت کے ذریعے سے اس کے دین کو غالب کرنے کے لیے کردار ادا کرے۔ اس طرح انسانیت کو اللہ سے جوڑنے اور اس کی محبت اور عظمت اپنے دل میں پیدا کرنے کے لیے انتہا درجے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔ فسق وفجور، معاہدات کی خلاف ورزی، رشتے داروں کے حقوق توڑنے اور زمین میں فساد مچانے سے باز آئے۔ سچی خدا پرستی اور انسان دوستی کا راستہ اختیار کرے۔ اللہ سے سچے تعلق کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ انسان دوستی کے لیے کردار ادا کرے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝: انسانی معاشروں میں خلافت کا بہتر نظام قائم کرنے کے لیے صحیح علم وفکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم بڑا وسیع ہے۔ دنیا میں موجود تمام چیزوں سے متعلق علوم کا اصل مرکز اور منبع وہی ذات ہے۔ اس لیے اُس باخبر اور علیم ذات کے ساتھ انسان کی وابستگی ضروری ہے، تاکہ وہ علوم کے اس منبع سے فیض یاب ہو۔ قرآنی تعلیمات اسی منبعِ علم سے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنے علم وفکر، سیاست ومعیشت کے انداز واُسلوب کو درست کیا جائے اور ان تعلیمات سے بہرہ ور ہوکر خلافتِ ارضی کے قیام کے لیے جدوجہد اور کوشش کی جائے۔

www.rahimia.org

# درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

## یتیم کی کفالت کا اَجر

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍؓ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ وَ لِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا.'' وَ اَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَ الْوُسْطٰى، وَ فَرَجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (صحیح بخاری، حدیث نمبر 5659)

(حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کا پالنے والا، خواہ وہ یتیم اپنے گھرانے کا ہو یا غیر ہو، جنت میں اس قدر قریب ہوں گے، جیسے دو انگلیاں۔'' آپؐ نے یہ کہہ کر اپنی پہلی اور درمیان والی دونوں اُنگلیوں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اُٹھا کر دکھائیں۔)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اتنے قریب ہوں گے جتنی کہ دو انگلیاں آپس میں۔ نابالغی کی عمر میں جس بچے کا والد فوت ہوجائے، اس کو یتیم کہتے ہیں۔ یتیم دینی تربیت اور مادی وسائل کی فراہمی سے محروم ہوجاتا ہے۔ اِس بنا پر وہ نہایت ہی قابلِ رحم ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ نے اس صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دِلانے، اس کی تربیت اور اس کے مسائل کو حل کرنے والے کے لیے بہت بڑے اَجر کا ذکر کیا ہے، جو کسی بھی مسلمان کی ساری زندگی کا حاصل اور آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کا قابلِ رشک نتیجہ ہے۔ دینِ اسلام دینِ انسانیت ہے۔ اسلام نے انسانی مسائل کے حل کو عبادت اور انعاماتِ الٰہی کا ذریعہ قرار دے کر انسان دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ اس لیے اس بڑی کامیابی کو ایک ایسے عمل کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جو انسانی ہمدردی اور معاشرتی فلاح کا راستہ ہے۔ یہ ایک بڑے عمل کا بڑا اَجر ہے جو کسی بھی اچھے معاشرے کے اندر ہونا چاہیے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جب اللہ کا رسولؐ معاشرے کے ایک کمزور فرد کے بارے میں اتنا فکرمند ہے، تو رسول اللہؐ ان لوگوں سے بھی روزِ قیامت یقیناً خوش ہوں گے، جو ایسے معاشرے میں جدوجہد کرتے ہیں کہ جس کی اکثریت بے سہارا ہوجائے۔ ان کے معاشی اور دُنیاوی حقوق کو پورا کرنے والے غافل ہوجائیں۔ ایک ایسا نظام اور معاشرہ قائم ہوجائے، جو بے رحم، ظالم اور انسانوں کے مسائل اور اُخروی فلاح سے بے خبر ہو، ایسی صورت میں وہ لوگ جو معاشرے کے بے بس اور مجبور و مقہور لوگوں کی مدد کے لیے مستعد ہوں گے اور ان کے مسائل حل کرنے کی ذمے داری نبھائیں گے تو اللہ ان سے خوش ہوکر انھیں انعامات سے نوازیں گے۔

آج سرمایہ داری نظام کے طبقاتی ڈھانچے کے سبب ہمارے معاشرے کی اکثریت بے سہارا یتیم کی حالتِ زار سے دوچار ہے۔ ایسے میں حضور اکرمؐ کی قربت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا بہترین ذریعہ اس ظالمانہ اور طبقاتی نظام کے خلاف جدوجہد ہے، تاکہ خدا کی مخلوق، اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے زیرِ سایہ امن و چین کی زندگی گزار سکے۔

# صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

## حضرت عثمان بن عفانؓ اور معاشی وسائل

مدینہ منورہ عہدِ نبویؐ کی نئی ریاست ہے۔ حضرت عثمانؓ جیسے لوگ اپنے مال کو ریاست کے اجتماعی تقاضوں کے مطابق صَرف کرتے ہیں، جس سے عوامی حقوق کی ادائیگی آسانی کے ساتھ ممکن ہوجاتی ہے۔ آپؓ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد عوام کے لیے میٹھے پانی کے مسئلے کو محسوس کیا کہ اس سہولت کی عدم دستیابی مدینہ کے عوام کے لیے بڑا مشکل مرحلہ ہے، جب کہ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا، جو کہ ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ پیسوں سے پانی فروخت کرتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا کہ: ''یہ کنواں فروخت کردو۔'' اس نے کہا: ''یہ میرا کاروبار ہے، میں فروخت نہیں کرتا۔'' فرمایا: ''چلو قیمت پوری لو اور آدھا کنواں فروخت کردو۔'' تو وہ تیار ہوگیا اور طے پایا کہ ایک دن حضرت عثمانؓ اور دوسرے دن وہ یہودی کنویں سے پانی نکالے گا۔ جب حضرت عثمانؓ نے کنویں کی قیمت ادا کردی اور معاہدہ طے پا گیا تو آپؓ نے اعلان کروادیا کہ میری باری کے دن مدینہ کے سب لوگ؛ مسلمان، کافر بغیر کسی قیمت کے اللہ کے لیے پانی لے سکتے ہیں۔ چناں چہ جب لوگوں کو ایک دن مفت پانی ملنے لگا تو دوسرے دن کون خریدے؟ اس لیے کچھ ماہ بعد حضرت عثمانؓ نے اس یہودی سے کنویں کا دوسرا حصہ بھی خرید کر اللہ کے لیے وقف کردیا۔

مشہور مفسر ابن کثیرؒ نے عہدِ نبوت سے لے کر عہدِ عثمانؓ کی فتوحات کو درجہ بہ درجہ بیان کیا اور آخر میں یہ الفاظ لکھے: ''مشرق و مغرب سے خراج اکٹھا کر کے امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچایا جاتا۔ انھوں نے تلاوتِ قرآن اور اس کی تعلیم و تدریس کا جو اہتمام کیا اور امت کو قرآن کی حفاظت پر جس طرح جمع کیا، یہ اس کی برکت و نتیجہ ہے۔ اسی لیے صحیح روایت ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''بے شک اللہ نے زمین کو میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی، جہاں تک زمین میرے سامنے پیش کی گئی۔'' دیکھو ہم آج گھوم پھر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں میں۔'' (تفسیرِ عثمانی، سورت النور)

سرمائے کا استعمال بہ حقِ قوم و وطن کیا جاتا ہے، نہ کہ ذاتی عیاشیوں پر یا تجوریوں میں بھرنے کے لیے۔ حضرت عثمانؓ نے سرمائے کو اپنے پاس قومی امانت سمجھا۔ آج سرمایہ دارانہ نظام کی قوتیں انسان کو ضرورتوں کے حوالے سے مجبور بنا کر اپنے کاروبار اور بزنس کی بنیاد رکھتی ہیں، جب کہ دینِ فطرت کے نظریے کے حاملین انسانی مجبوریوں کے نظام کو توڑ دیتے ہیں اور اپنے وسائل کو قومی مفادات کی تکمیل میں خرچ کرنے کا نظام بناتے ہیں۔ اس طرح قومی نظام کی ایسی مستقل منظّم قوت پیدا کردیتے ہیں جس سے صدیوں تک انسانی مسائل کے حل اور پیداواری وسائل کی ترقی کا ایک عوام دوست دور وجود میں آجائے۔

www.rahimia.org

# شذرات

## مسئلہ کشمیر! سیاسی بصیرت کا متقاضی ہے!

اس وقت کشمیر دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ خصوصاً ہندوستان اور پاکستان کے میڈیا پر کشمیر ہاٹ ایشو ہے۔ اس کی وَجہ گزشتہ دنوں انڈین پارلیمنٹ کی طرف سے ہندوستان کے آئین میں درج کشمیر کی خصوصی حیثیت سے متعلق آرٹیکل 370 اور 35(A) کی منسوخی اور کشمیر کو دوسرے صوبوں کی طرح ہندوستان کا ایک صوبہ قرار دینا ہے۔ کشمیر کی خصوصی حیثیت کا پسِ منظر یہ ہے کہ مہاراج ہری سنگھ اور وی پی مینن کے درمیان بات چیت کے نتیجے میں انڈین دستور میں آرٹیکل 370 کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس آرٹیکل کے تحت یہ طے کیا گیا کہ ریاست جموں وکشمیر کے بارے میں یہ ایک عارضی انتظام ہے (Temporary Provisions with respect to the State of Jammu & Kashmir)، جس کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ خارجہ پالیسی، دفاع اور مواصلات کے علاوہ اپنا الگ دستور، جھنڈا بنانے اور داخلی خودمختاری برقرار رکھے گی اور ریاستی اسمبلی کی منظوری کے بغیر انڈین یونین ریاستی دستور میں مداخلت نہیں کرے گی۔ جب کہ 14رمئی 1954ء کو صدارتی فرمان کے ذریعے آرٹیکل 35(A) کے تحت ریاست جموں وکشمیر کی قانونی اسمبلی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ کشمیری شہریت دینے کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی اور کوئی انڈین شہری جس کے پاس کشمیر کی شہریت نہیں ہوگی، وہ ریاست جموں وکشمیر میں جائیداد کی خرید وفروخت نہیں کرسکے گا۔ اسے ووٹ دینے اور الیکشن لڑنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ ہائر ایجوکیشن اور ہیلتھ کیئر سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔

دونوں طرف کے سیاسی حریف مسئلۂ کشمیر پر اپنی اپنی پسند کا خاکہ بنا کر اپنے اپنے عوام کے جذبات اُبھار رہے ہیں۔ گزشتہ پون صدی سے یہی فضا قائم ہے۔ ہمارے ہاں ان حساس موضوعات پر مطالعے کے آزادانہ ذرائع ہمیشہ عوام کی دسترس سے دور اور اہلِ جستجو کے لیے ناپید رہے ہیں۔ کسی بھی مسئلے میں جب تک تصویر کے دونوں رُخ نہ دیکھے جائیں تو منظر واضح نہیں ہوتا اور کسی حالیہ منظر کو دیکھنے کے لیے اس کا پسِ منظر دیکھنا بھی انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اس مسئلے پر گزشتہ ایک صدی میں مختلف پہلوؤں سے لکھا جانے والا لٹریچر بہت ہی اہم ہے اور اس مسئلے کے تمام کرداروں؛ ڈوگرہ راج، انگریز، نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس، انڈین نیشنل کانگریس، مسلم لیگ اور اقوامِ متحدہ کے ترجمانوں کی تحریریں ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں، لیکن پاکستان میں ایک خاص فضا نے تحقیق وریسرچ کے دائرے کو بھی اپنے حصار میں لے رکھا ہے، جس کی وَجہ سے عموماً لوگ کھلے اور آزاد ذہن سے سوچنے کے عادی نہیں رہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد استعمار نے جن خطوں سے قومی تحریکاتِ آزادی یا بین الاقوامی حالات کے جبر کی وَجہ سے ان خطوں سے انخلا کیا، تو وہاں کی جغرافیائی نوعیّتوں کو سامنے رکھتے ہوئے استعمار نے اپنی مستقبل کی حکمتِ عملی کے لیے خطے کی اقوام کے علیٰ الرغم اقدامات کیے۔ کہیں خطے کو تقسیم کرکے نئے ملک بنائے، کہیں سرحدوں کو متنازع بنایا اور کہیں اپنی مستقبل کی حریف قوتوں سے نمٹنے کے لیے بہ ظاہر انخلا کے باوجود اپنا اثر ورسوخ باقی رکھا۔

ہندوستان سے انخلا کے وقت انگریزوں کی خواہش تھی کہ یہاں کی 562 ریاستوں کو وہ آزاد ممالک کے طور پر آزاد کرے اور یہ شان دار تاریخ رکھنے والا خطہ ہمیشہ آپس میں برسرِ پیکار رہے اور دوبارہ قوت بن کر نہ ابھر سکے۔ ان ریاستوں کے راجاؤں کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ اپنے نوابی اطوار واختیارات چھن جانے کو اپنی موت سمجھتے تھے۔ لیکن اس ملک کی قومی آزادی کی سرخیل شخصیات نے انگریزوں کی اس چال کو ناکام بنا دیا اور ریاستوں کے لیے آئینی طور پر وجود میں آنے والے دو ملکوں پاکستان اور ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کو ضروری قرار دیا (انگریزی عہد کی نوابی ریاستوں میں انسانی حقوق کی حالتِ زار اور انگریز بیوروکریسی کی حاشیہ برداری کی تفصیلات دیوان سنگھ مفتون کی معروف کتاب ''ناقابلِ فراموش'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)۔

پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے کئی مواقع ہماری لیڈرشپ نے اپنے جذباتی پن، حکمت سے گریز اور معاملہ نافہمی سے گنوائے ہیں۔ ورنہ کشمیر کے پاکستان کے ساتھ فطری الحاق کو بہ قول شیخ عبداللہ بہت سے ہند پارلیمنٹ کے ممبر بھی تسلیم کرتے تھے۔ شیخ عبداللہ لکھتے ہیں: ''ہند پارلیمنٹ کے ممبر اور ہندو مہا سبھا کے رُکنِ رکین این سی چیٹر جی نے اپنے ایک تازہ مضمون میں ذیل کے الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے: ''ریاست جموں و کشمیر کا جغرافیائی محلِ وقوع ایسا تھا کہ وہ ہر طرف سے تازہ پیدا شدہ سلطنتِ پاکستان کی حدود سے گھری ہوئی تھی۔ کشمیر کا بیرونی دنیا کے ساتھ واحد تعلق جہلم ویلی روڈ کے ذریعے تھا، جو بہ راستہ راولپنڈی' پاکستان سے ہوکر گزرتی تھی۔ ریلوے لائن کا واحد تعلق جو ریاست کشمیر کو بیرونی دنیا سے جوڑ سکتا تھا، وہ پاکستان میں واقع شہر سیالکوٹ سے ہوکر گزرتا تھا۔ ریاست کے ڈاک خانہ جات اور سلسلۂ تار کا عمل دخل بھی ان علاقوں سے وابستہ تھا، جو یقیناً سلطنتِ پاکستان کی حدود میں آچکے تھے۔ ریاستِ کشمیر میں درآمد ہونے والی ضروریات مثلاً نمک، کھانڈ (چینی)، پیٹرول اور زندگی کی دوسری ضروریات ان ہی علاقوں سے ہوکر آتی تھیں، جو پاکستان کا حصہ بننے والے تھے۔ سیاحوں کی آمد و رفت جو کشمیر کے لیے آمدن اور مالیات کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس کے حمل ونقل کا سلسلہ بھی بہ راستہ راولپنڈی تھا۔ اپنی پیداوار، خاص کر اس کے قیمتی میوہ جات کو ریاست سے باہر برآمد کرنے کے لیے کُل ایک راہ تھی اور وہ بھی جہلم ویلی کی سڑک اور کشمیر کے جنگلات سے برآمد ہونے والی عمارتی لکڑی ریاست کے باہر صرف دریائے جہلم کے راستے سے ہی جاسکتی تھی، جو بہتا ہوا جا، پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔'' (کشمیر، ہندوستان اور پاکستان، از شیخ عبداللہ، ص 3-4) لیکن علاقہ پونچھ کی طرف سے سرحد کے قبائلیوں کے حملے نے راجہ ہری سنگھ کو مدد کے لیے ہندوستان کے پاس جانے پر مجبور کردیا اور ہندوستان نے کہا کہ ہم اس وقت بین الاقوامی قانون کے تحت آپ کی مدد نہیں کرسکتے جب تک آپ کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ یوں مشروط الحاق پر راجہ مجبور ہوگیا۔ اسی طرح

www.rahimia.org

اَور بھی بہت سے مواقع ہیں، جو ہماری قیادت نے کشمیر کی قومی قیادت کو توجہ نہ دے کر ضائع کر دیے۔ اور ڈوگرہ راج کے خلاف منظّم ہوتی ہوئی قومی جدوجہدِ آزادی کو مسلسل فرقہ وارانہ سیاست کی طرف دھکیلا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری کئی حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کشمیر پر مسلمان لیڈروں نے ہمیشہ جذبات کی ناؤ بنائی اور اس مسئلے پر تدبر سے کام نہ لیا۔ جہاد کے نام پر لڑنے مرنے کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اسی لہجے میں عوام سے مخاطب ہوتے رہے۔ اس کی ایک ہلکی سی جھلک ماضی کے جھروکوں میں دیکھی جا سکتی ہے کہ مسلم کاز کے لیے اپنا سرمایۂ تقریر و تحریر لٹانے والے اس مسئلے پر کتنے تدبر کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ شیخ عبداللہ اپنی سرگشت میں لکھتے ہیں:

''مسلم لیگ کا مشہور اجلاس لاہور جس میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی، اس میں مَیں اجلاس کا مشاہدہ کرنے کے لیے شریک ہوا۔ اس میں حیدرآباد کے مشہور رہنما نواب بہادر یار جنگ گرج رہے تھے۔ مرحوم ایک زوردار اور شعلہ بار مقرر تھے۔ شستہ اردو میں بڑی فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے۔ کشمیریوں کی مظلومیت بیان کرتے ہوئے انھوں نے ریاست میں مکمل ذمہ دار نظامِ حکومت کا مطالبہ کیا۔ حیدرآباد (دکن) کے لیے اس مطالبے کو اس لیے خارج از بحث قرار دے دیا کہ وہ مسلمانوں نے بہ زورِ شمشیر حاصل کیا ہے اور شمشیر کی طاقت ہی سے اس کو اپنے پاس رکھیں گے۔ یہ دلیل اتنی بودی تھی کہ نواب صاحب کی اردو معلّیٰ بھی اس کے پھسپھسے پن کو نہ چھپا سکی اور میں دل برداشتہ ہو کر جلسے سے اٹھ کر چلا گیا۔ دوسرے دن دفتر (روزنامہ) ''انقلاب'' میں میری ملاقات مولانا غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک سے ہوئی۔ میں نے ان سے بہادر یار جنگ کی تقریر کا ذکر چھیڑا اور پوچھا کہ جو بات کشمیر کے عوام کے لیے جائز ہو سکتی ہے، اسے حیدرآباد کے عوام کے لیے کیوں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا؟ ریاست حیدرآباد میں مطلق العنان حکومت کے حق میں نواب صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے، وہی دلیل کشمیر کا مہاراجہ یا اس کے ہم خیال کیوں نہیں دے سکتے؟ جب دلیل کا جواب استدلال سے نہ دیا جا سکے تو غصے کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مہر صاحب اپنی متین طبیعت کے باوجود جھلائے اور بولے کہ: ''ہم حیدرآباد کے لیے لاکھوں کشمیری قربان کر سکتے ہیں۔'' میں مہر صاحب کا احترام کرتا تھا، اس لیے بڑی نرمی سے ''بولا: آپ ضرور کشمیری عوام کو قربان کر لیں، لیکن کیا خود کشمیری عوام بھی اس کے لیے تیار ہوں گے؟ مہر صاحب سے جواب تو نہ بن پڑا، لیکن دونوں اصحاب کے چہرے پر ناگواری کے آثار ضرور آئے اور میں نے قطع کلام کرنے کو ہی مناسب خیال کیا۔'' (آتش چنار، سرگزشت شیخ عبداللہ، ص 256-257)

ہمارے لیڈروں نے ہمیشہ کشمیری عوام کو نظرانداز کیا اور وہ کشمیر کے عوام کے بجائے اپنی اَنا کا مقدمہ لڑتے رہے، جس سے عوام پسِ منظر میں چلے گئے اور دوقومی نظریے کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا تصورِ حقوق و برتری اوپر آتا چلا گیا۔ حال آں کہ کشمیر میں دوقومی نظریے کی سیاست کی نفی خود بانیٔ پاکستان کر چکے تھے۔

اس سوچ نے ہمیں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کی سائنس سے بہت دور جا پھینکا۔ آج پاکستان میں عوام کے ہاں مقبول نعرے: 'لے کے رہیں گے کشمیر'، 'کشمیر بنے گا پاکستان'، 'ہندو بنیے کا علاج: الجہاد الجہاد' کشمیر کے مسئلے پر ہمارے عوامی شعور کا اظہار ہے کہ جس علاقے کو دنیا کے قانونی فورم پر ہماری قیادت اور ریاست ایک متنازعہ علاقہ تسلیم کر چکی ہے، لیکن وہ اپنے عوام کی ذہنی آب یاری خالصتاً اپنے ماضی کی تاریخی جذباتیت کی بنیاد پر کر رہی ہے۔

تاریخ میں کشمیر کو ایک خودمختار ملک بنانے کا مؤقف بھی رہا ہے اور آج بھی گاہے گاہے یہ آواز سننے کو مل جاتی ہے، لیکن یاد رہے! کشمیر ایک خودمختار ملک اہلِ کشمیر کی خواہ کتنی ہی جائز اور شدید خواہش ہو، لیکن بعض زمینی حقائق کی موجودگی میں دونوں ہی ملک یعنی ہندوستان اور پاکستان کے لیے یہ کبھی بھی ممکن نہیں رہا کہ وہ اسے ایک آزاد، خودمختار اور علاحدہ ملک تسلیم کر لیں۔ ہاں! اگر کبھی دنیا کا نیا جغرافیہ تشکیل دینے والی قوتوں کو اس خطے کو ایک الگ ملک بنانے کی ناگزیر ضرورت پیش آ گئی تو کلچرل، مذہب اور قومیت کے نام پر بہت سے جواز تراشے جا سکتے ہیں اور اسے ایک الگ ملک کے طور پر بین الاقوامی برادری کا حصہ بنایا جا سکتا ہے۔

اب اس مسئلے کا اونٹ ایک خاص کروٹ بیٹھ چکا ہے اور اسے اسی نہج پر آگے بڑھنا ہے۔ شاید وہ ہماری سوچ اور مزعومہ خواہشات کے مطابق تو نہ ہو، لیکن زمینی حقائق سے قریب تر ''بتایا جاتا'' ہے۔ یاد رہے دنیا اس مسئلے کو ہماری آنکھ سے نہیں، بلکہ تاریخی اور معروضی حقائق کے تناظر میں زیادہ دیکھتی ہے۔ اسی لیے اس مسئلے پر دنیا ہمارے بجائے اپنا وزن دوسرے پلڑے میں ڈالتی ہے۔ عالمی طاقتوں کے درمیان کشمکش کا ترازو بدل جانے سے دنیا مسلسل تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ جن پیمانہ برداروں نے دنیا میں اپنے اتحادیوں کو بندوقیں تھمائی تھیں، اب وہ خود ان سے واپس لے رہے ہیں۔ پاکستان میں مسلح جماعتوں کے پَر اِسی حکمت عملی کے تحت ہی کُترے گئے ہیں اور مزید انتظار میں رہیے کس کس شاخ کو تراشا جاتا ہے۔ بندوق وہی واپس لے سکتے ہیں، جنھوں نے دی تھی، ورنہ کسی اَور کو یہ قدرت حاصل نہ تھی۔ پہلے افغانستان میں لڑنے والے سورماؤں کو نکیل ڈالی گئی، اب کشمیر کو 'آزاد کروانے والے' زد میں ہیں۔

قصہ مختصر اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان اور افغانستان کے تجارتی تعلقات، افغانستان سے امریکی افواج کے انخلا، سی پیک اور خطے کے متعدد دیگر ایشوز سے اب کشمیر کے مسئلے کو علاحدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر خطے کے دیگر مسائل کو حل کرنے کی بات کی جائے گی، وہاں مسئلۂ کشمیر کا بھی کوئی نہ کوئی حل مقتدر قوتوں کو کرنا پڑے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ عوام کو اس سے بے خبر رکھا جائے اور وہ حسبِ سابق جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں سے اپنا دل بہلائیں اور ایک خاص ڈھب کی مردہ سیاست کے تن بدن کو نیا خون میسر آ جائے اور وہ دوبارہ سے سرگرم ہو جائے۔

مدیر

www.rahimia.org

# وزرا اور معاونین کا طریقۂ تربیت اور شعبے

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

[معاونین کی تربیت کا نظم ونسق قائم کرنا]

''سربراہِ مملکت پر لازمی ہے کہ وہ اپنے معاونین میں سیاسی طور پر نظم ونسق قائم رکھے۔ اسے گھوڑا سدھانے والے ماہر سائس کی طرح کا سیاسی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے۔ وہ اس طرح کہ سائس اپنے گھوڑے سے متعلق درجِ ذیل امور کی پہچان رکھتا ہے:

(الف) گھوڑے کے دوڑنے کی اقسام؛ سرپٹ دوڑنا، درمیانی رفتار سے چلنا اور آہستہ چلنا وغیرہ اچھی عادات ہیں۔ اسی طرح گھوڑے کے دوڑنے کی بُری عادات؛ اَڑیل ہونا، دوڑنے کے دوران پیچھے مڑ کر دیکھنا وغیرہ ہیں۔

(ب) گھوڑے کو کس وقت اور کیسے غلط عادتوں سے روکنے کے لیے کس طرح تنبیہ کی جائے؟ مثلاً اُسے ایڑی لگانا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور چابک مارنا وغیرہ۔

(ج) پھر اُس کی نگرانی کرنا کہ جب بھی گھوڑا کوئی غلط حرکت کرے، یا اچھی عادت کو چھوڑے تو اُسے ایسی تنبیہ کرنا، جس سے اُس کی طبیعت مطیع اور فرماں بردار بن جائے اور اُس کی طبیعت کی تیزی ٹوٹ جائے۔

(د) گھوڑے کو پریشان کرنا مطلوب نہ ہو کہ وہ سزا کے مقصد کو نہ سمجھ سکے، بلکہ اُس میں جو اچھی عادت مطلوب ہے، وہ اس کے سامنے آجائے اور اس کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ اور بُری عادت پر سزا کا خوف اس میں پیدا ہو جائے۔

(ہ) پھر جب اُس میں مطلوبہ عادات پیدا ہو جائیں اور بُری عادتیں چھوٹ جائیں تو اُن کی ریاضت اور تربیت چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی تربیت کے مطلوبہ مقاصد گھوڑے کی پختہ عادات اور بنیادی خُلق میں سے بن جائے۔ اُس کی عادت کچھ اس طرح سے ہو جائے کہ اگر ڈانٹ ڈپٹ نہ بھی کی جائے تو وہ اپنی عادت کے خلاف کبھی معمولی سا میلان بھی ظاہر نہ کرے۔

بالکل اسی طرح انتظامی جماعتوں کی تربیت کرنے والے منتظم پر لازمی ہے کہ وہ:

(الف) سب سے پہلے نظم ونسق کے مطلوبہ طریقوں کا علم حاصل کرے کہ انتظامیہ سے کون سے کام لینا مطلوب ہیں اور انھیں کن کاموں سے روکنا ضروری ہے۔

(ب) ان امور سے واقفیت حاصل کرے، جن کے ذریعے سے مطلوبہ تنظیمی صلاحیت کے حامل افراد کو غلط کاموں پر متنبہ کرنا ضروری ہے۔

(ج) نظم ونسق قائم کرنے والے کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہمیشہ ان امور کو پیشِ نظر رکھے، اور ماتحت انتظامیہ کو من مانی کرنے کی مہلت نہ دے۔

[سربراہِ مملکت کے معاونین اور وزرا کی تعداد]

سربراہِ مملکت کے معاونین کو کسی مخصوص تعداد میں بند نہیں کیا جاسکتا۔ مملکت کی انتظامی ضروریات میں تغیر وتبدل کی وَجہ سے اُن کی تعداد میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔ بعض اوقات ایک کام کے لیے دو معاونین ضروری ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دو کاموں کے لیے ایک معاون کافی ہوتا ہے۔ کم از کم پانچ معاونین ضرور ہونے چاہئیں:

(1) قاضی (عدلیہ کا سربراہ): اس کے لیے ضروری ہے کہ:

(الف) وہ آزاد، مرد، بالغ، عقل مند، تندرست اور معاملات کو سمجھنے والا ہو۔ لڑائی جھگڑوں میں دونوں فریقوں کے مکروفریب اور دھوکے بازی کو جانتا ہو۔

(ب) یہ کہ وہ سخت ہو اور بُردبار بھی ہو، اپنی سختی اور نرمی میں توازن رکھے۔

(ج) وہ ہر مقدمے کا دو پہلوؤں سے جائزہ لے:

(۱) مقدمے کی اصل صورتِ حال معلوم کرے کہ وہ کوئی سماجی معاہدہ (دیوانی مقدمہ) ہے، یا ایک کا دوسرے پر کیا گیا ظلم (جرم) ہے، یا اس مقدمے میں دونوں طرح کی نوعیت ہے۔

(۲) فریقین میں سے ہر ایک کیا چاہتا ہے اور یہ کہ اُن میں سے کس کا مطالبہ زیادہ درست اور زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

(د) قاضی کو چاہیے کہ کسی ایک فریق کے حق میں لکھے گئے فیصلے کے دلائل کو اچھی طرح پرکھ لے۔ وہ دلائل ایسے ہونے چاہئیں کہ:

(۱) جن پر لوگ شک نہ کرسکیں اور اُن دلائل کا تقاضا یہی واضح حکم تھا۔

(۲) دوسری کوئی ایسی دلیل نہیں تھی، جو کسی دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔

(2) فوجی سربراہ: اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ:

(الف) جنگی حکمتِ عملی کی تیاری کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(ب) فوجی جوانوں اور بہادروں کی تنظیم اور ترتیب قائم کرنے کی صلاحیت رکھے۔

(ج) ملک کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت رکھنے والے افراد کی پہچان رکھتا ہو۔

(د) پیش آمدہ جنگی صورتِ حال کے مطابق فوجی لشکروں کی تیاری رکھے۔

(ہ) دشمن کے مکروفریب سے باخبر رہنے کے لیے جاسوسی کا نظام قائم کرے۔

(3) مملکت کا منتظمِ اعلیٰ: اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ:

(الف) تجربہ کار ہو۔

(ب) ملک کی اصلاح اور ترقی، فساد اور تنزلی سے متعلق وجوہات سے باخبر ہو۔

(ج) سخت مزاج ہو اور بُردبار بھی ہو۔

(د) ایسی قوم میں سے ہو کہ جو مرضی کے خلاف کاموں پر خاموش نہیں رہتے۔

(ہ) ہر قوم کا ایک منتخب نمائندہ ساتھ لے، جو اُن کے حالات سے باخبر اور اُن کے معاملات کو منظّم کرنے اور اُن کے غلط کاموں پر اُن کا مواخذہ کرسکے۔

(4) وزیرِ خزانہ: وہ ایسا فرد ہو جو لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے کے معاملات سے خوب باخبر اور جمع شدہ ٹیکس کو مستحقین پر خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(5) پرائیویٹ سیکرٹری: جو سربراہِ مملکت کے ذاتی اور معاشی معاملات کا کفیل ہو۔ اس لیے کہ حکومتی معاملات میں مشغول رہنے کی وَجہ سے اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے معاشی معاملات کو درست کرنے پر خود توجہ دے سکے۔'' (باب سیاسۃ الأعوان)

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

# خلافتِ بنواُمیہ: ترقی وفتوحات کا دور

بنواُمیہ کا زمانہ خلافت ترقی وخوش حالی کا زمانہ ہے۔ اسلامی خلافت کا درخشاں دور ہے۔ جہاں ایک طرف امن وامان کا دور دورہ ہے، عدل وانصاف تک ہر فرد کی رسائی آسان ہے، وہاں حکومتی سرپرستی میں علم کی اشاعت ہو رہی ہے۔ قرآن وحدیث کی تدوین بنواُمیہ کے زمانے میں ہی ہوئی۔ مشہور مراکزِ علم کے معروف محدثین کے ذریعے احادیث کو باقاعدہ طور پر مدوّن کیا گیا۔ ادارہ جاتی اصلاحات اور ملکی وشہری انتظامات سب سے بڑھ کر کثرت سے فتوحات اسی دور میں ہوئیں۔ اسی لیے نبوت اور خلافتِ راشدہ کے بعد اُموی دور اسلام کے حق میں بہترین زمانہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اور مجموعی اعتبار سے یہ دور بعد کے تمام ادوار کے مقابلے میں خیرالقرون کہلانے کا مستحق ہے، بلکہ فتوحات اور اشاعتِ اسلام کے اعتبار سے اُموی دورِ خلافت وہی حیثیت رکھتا ہے، جو خلافتِ راشدہ میں حضرت عثمانؓ کے دور کو حاصل ہے۔ اس دور میں جو فتوحات ہوئیں، وہ عہدِ عثمانی کی فتوحات سے بڑھ کر ہیں۔ چناں چہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں مکران اور سندھ کے دیگر شمالی علاقہ جات فتح ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں: ''بنواُمیہ کے دورِ خلافت میں جہادی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ بحر و بر میں اسلام کا علم بلند ہو رہا تھا۔ مشرکوں اور ظالموں کے دل مسلمانوں کے رعب سے لرز رہے تھے۔ جس سمت بھی مسلمان رُخ کرتے، اسے فتح کر لیتے۔ ان کے ہر لشکر کے ساتھ تابعینؒ، علما وصلحاؒ کی ایک بڑی جماعت ہوا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی برکت سے اپنے دین کی نصرت کرتا تھا۔''

اُمویوں نے سندھ سے لے کر افریقا تک اور یورپ سے لے کر ایشیا تک اسلام کا پرچم لہرایا۔ یوں تو بنواُمیہ کے تمام خلفا نے حالاتِ زمانہ کے مطابق فتوحات اور اپنی دینی وملّی خدمات میں حصہ لیا، تاہم بعض خلفا کا دور فتوحات اور اشاعتِ اسلام کے اعتبار سے سنہری دور کہلاتا ہے، جیسے کہ ولید بن عبدالملک کا دور۔ اُموی خلافت میں اگرچہ خلیفہ کا انتخاب وتقرر کسی حد تک شخصی تھا، مگر دیگر تمام امور ومعاملات میں خلافتِ اسلامیہ کی شورائی وجمہوری روح کارفرما تھی۔ تقریباً تمام امور خلافتِ راشدہ کے طریقے پر انجام دیے جاتے تھے۔ تمام خلفا اسلامی احکام کے پابند تھے، ہاں! البتہ کسی حکمران کی ذاتی زندگی میں کوئی جھول ہوسکتا ہے۔ تاریخ میں بنواُمیہ کے دور کو سب سے زیادہ ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسی دور میں اسلامی سرحدات دور دور تک پھیلیں۔ یورپ کا بہت سا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں آیا۔ سپین پر بنواُمیہ کی حکومت قائم ہوئی، جو آٹھ سو سال تک رہی۔ اس دور میں مسلمانوں نے علم وعمل کی شمعیں روشن کیں۔ علمی و تحقیقی ادارے قائم کیے۔ یورپ جو اس وقت جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، وہاں کا نوجوان حصولِ علم کے لیے قرطبہ وغرناطہ کی یونیورسٹیوں سے رجوع کرتا۔ یہ سب کچھ یورپ کو ہضم نہیں ہوا۔ اس لیے اس دورِ ترقی وکمال کو مطعون کیا گیا اور اس دور کی معمولی خامیوں اور کوتاہیوں کو پہاڑ بنا کر پیش کیا گیا۔



محمد کاشف شریف، راولپنڈی

# قسمت کا مارا خطہ

سکھوں کے بعد سے آج تک کشمیر کی مخصوص حیثیت نے کشمیری عوام کا بھلا کیا ہو یا نہ ہو، ہاں! سرحد کی دونوں جانب کشمیر کی آزادی کی مالا جپنے والوں کا خوب بھلا کیا ہے۔ چناں چہ ایک کروڑ پچیس لاکھ کے مقبوضہ کشمیر کی سالانہ پیداوار 23 ارب ڈالر ہے، جب کہ اس سے نصف آبادی کے پاکستانی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی سالانہ پیداوار 9 ارب ڈالر کی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی 69 فی صد آبادی خواندہ ہے اور پاکستانی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی 58 فی صد آبادی خواندہ ہے۔ دونوں جانب کا کشمیر اپنے اپنے وفاق میں پس ماندہ خطوں کے طور پر لیا جاتا ہے۔ کہنے کو مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر سے نسبتاً بہتر ہے، لیکن یہ بہتری بھی وہاں کی غیر مسلم آبادی کے حصے میں زیادہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ دہشت گردی اور علاحدگی پسندی کی شکل لی ہوئی تحریکات سے مسلمان ہی وابستہ ہیں۔ اس لیے انھیں معاشی میدان میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دوسری جانب مفاد پرست اور بٹی ہوئی سیاسی قیادت اس صورتِ حال پر جلتی پر تیل کا کام کرتی ہے۔

معاشی ترقی کے لحاظ سے یہی حال پاکستانی کشمیر کا بھی ہے۔ چناں چہ کشمیری نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد تعلیم اور روزگار کی غرض سے پاکستان کے بڑے شہروں میں قسمت آزماتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کشمیر میں کم سرمایہ کاری کی بڑی وجہ وہاں پراپرٹی کے انتقال کے قوانین ہیں۔ اسی طرح کمپنیوں کی صورت میں سرمایہ کاری کے قوانین بھی کشمیر کے شہری کے علاوہ ملک کے دیگر حصوں میں مقیم پاکستانیوں کو محفوظ سرمایہ کاری کی گارنٹی نہیں دیتے۔ چناں چہ سرمایہ کاروں کو مقامی کشمیری کے نام پر ہی کام کرنا ہوتا ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے بڑی سرمایہ کاری کے راستے محدود رہتے ہیں۔ مقامی لوگ کم اُجرتی مزدوروں کا کردار اپنا لیتے ہیں اور سیاسی اشرافیہ حکومتی سرمایہ داریت کو فروغ دیتے ہوئے اپنے اپنے پیداواری منصوبوں پر عمل پیرا رہتی ہے اور کشمیر آزادی کو ترستا رہتا ہے۔

اب اس بات کا امکان نہیں کہ کشمیر سے بھارت یا پاکستان اپنا اپنا اختیار چھوڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ اس لیے امن اور معاشی خوش حالی کی خاطر ایک ایسے فارمولے کی ضرورت ہے، جس کے تحت کشمیری عوام اپنے اپنے وفاق میں وفاقی اکائی کے طور پر مل کر آگے بڑھیں۔ ایسا قدم پاکستان نے گلگت بلتستان کی بابت اٹھا لیا ہے اور اب بھارت نے بھی اس جانب پیش قدمی کی ہے۔ کشمیر جو گزشتہ ستر سالوں میں پاکستان اور بھارت میں کئی جنگوں کا سبب بنا رہا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جنگی حکمتِ عملی سے نکلا جائے۔ ہم اس خطے میں صدیوں امن سے رہے ہیں، یہ کام دوبارہ بھی ہوسکتا ہے۔ پاکستان کی معاشی حالت اپنے ہمسایہ ملک سے لڑ کر بہتر نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ کام تجارتی روابط کے استحکام سے ہوگا۔ بھارت کے ساتھ تجارتی روابط کے خاتمے سے سراسر نقصان پاکستان کو ہی ہے۔ چناں چہ ہماری معیشت کی روح رواں یعنی ٹیکسٹائل انڈسٹری بھارت سے سالانہ 55 کروڑ ڈالر کی کپاس اور ادویات کے لیے 47 کروڑ ڈالر کا خام مال درآمد کرتی ہے۔ اس پابندی سے ہوگا یوں کہ سمگلنگ اور دیگر ممالک کے راستے یہ سب مال مہنگا ہو کر پاکستان آئے گا اور پوری قوم اس جنگی حکمتِ عملی کا معاشی خمیازہ بھگتے گی۔

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

# پاک امریکا تعلقات کی نئی بساط اور حالیہ تقاضے

عمران خان کے پاکستانی وزیراعظم منتخب ہونے پر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے انھیں دورۂ امریکا کی دعوت دی تھی۔ یہ دعوت جون 2019ء میں آئی تھی۔ چوں کہ جون میں بجٹ کی تیاری زوروں پر تھی، اس لیے یہ دعوت مؤخر ہوگئی۔ لہٰذا اس دعوت پر جولائی کے تیسرے عشرے میں عمل درآمد ہوا۔ امریکی مقتدرہ پر اثر ڈالنے کے لیے وہاں کی لابنگ فرمیں کام کرتی ہیں۔ کسی بھی ملک کے حکومتی سربراہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے ان فرموں کی خدمات خریدنی پڑتی ہیں۔ گویا باہر سے آنے والے سب سے پہلے امریکیوں کو ان کے ملک میں داخلے کا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہ لابنگ فرمیں اس سربراہ کی اپنی مرضی کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ جس کے بعد وہ مہمان اس تصویری جھلک کے ساتھ امریکی دارالحکومت میں داخل ہوتا ہے۔ 22/جولائی 2019ء کو واشنگٹن کے سب سے بڑے اسٹیڈیم ''کیپٹل اریناون'' میں دوپہر تین بجے کے لگ بھگ گلف نیوز کے مطابق 30 ہزار افراد کے اجتماع سے خطاب کرکے وزیراعظم نے تمام لابنگ فرموں میں کھلبلی مچادی۔ اس طرح ان کی امریکا میں مقبولیت خود بہ خود امریکی انتظامیہ کے سامنے آگئی۔ تمام لابنگ فرمیں اس سلسلے میں اپنا تیار کردہ چہرہ پیش کرنے میں ناکام ہوگئیں۔

ایک امریکی عہدے دار مورگن اورٹاگس کے بہ قول: ''وائٹ ہاؤس کی جانب سے پاکستانی وزیراعظم کو دعوت دینے کا مقصد واشنگٹن کے 'امریکا پاکستان تعلقات' کی بحالی پر رضامندی کا اظہار ہے۔'' دیگر ملکوں سے تعلقات کی نسبت پاک امریکا تعلقات کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ ہمارے سیاست دان اور دیگر قوتیں بھی امریکا کی طرف دیکھتی ہیں۔ اس لیے کسی بھی پاکستانی حکمران کا دورۂ امریکا زیادہ دلچسپی کا موضوع بنا رہتا ہے۔ اس دورے سے قبل پاک امریکا تعلقات تاریخ کی سب سے نچلی سطح پر تھے۔ یہ تعلقات نہ صرف خراب، بلکہ کشیدہ تھے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے پاکستانی وزیراعظم کی میزبانی میں زبردست گرم جوشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حال آں کہ صدر ٹرمپ اپنے پاکستان مخالف بیانیے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ: ''امریکا نے پاکستان کو گزشتہ 15 سالوں میں 33 ارب ڈالرز کی خطیر رقم امداد دے کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ کیوں کہ اس کے بدلے میں پاکستانیوں نے صرف دھوکا دیا ہے۔ پاکستانی امریکیوں کو احمق سمجھتے ہیں۔''

پہلی بات تو یہ کہ مذکورہ رقم امداد نہیں، بلکہ یہ کولیشن سپورٹ فنڈ (CSF) تھا، یعنی امریکیوں کے ایما پر پاکستانی فوج نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے جو اسلحہ استعمال کیا تھا، یہ اس پر اٹھنے والے اخراجات تھے، جو اُن کے ذمے واجب الادا تھے۔ یہ امریکیوں کی بداَخلاقی اور بددیانتی تھی، جو انھوں نے پاکستانی قوم کے ساتھ کی اور اپنا اعتماد کھویا۔ دنیا میں جو ایک دفعہ اعتماد کھو دیتا ہے، اس پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا۔

آج امریکیوں کے لیے مسائل کیا ہیں؟ وہ اپنی دہشت گردی پر مبنی پالیسوں کے باعث دنیا میں ناکام ہو چکے ہیں۔ عراق پر حملے کے وقت پوری دنیا امریکا کے ساتھ تھی۔ امریکا نے اسی پالیسی کے تسلسل میں افغانستان پر حملہ کرکے پورے خطے کو ''تورابورا'' بنا دیا۔ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے ہی ہاتھوں بنائی ہوئی ریاستوں؛ الجزائر، مصر، لیبیا، فلسطین، یمن، عراق اور شام کو تباہ و برباد کردیا، حال آں کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ متحدہ کا قیام اسی مقصد کے لیے تھا کہ آئندہ دنیا میں تیسری عالمی جنگ نہیں ہونے دی جائے گی۔ اگرچہ تیسری عالمی جنگ تو نہیں ہوئی، لیکن امریکا کی نگرانی میں مذکورہ ممالک کا سیاسی و سماجی ڈھانچہ زمین بوس کردیا گیا۔ آج امریکا دنیا میں اپنی انھی پالیسیوں کے باعث تنہا ہو چکا ہے۔ آج وہ سہارا ڈھونڈ رہا ہے کہ افغانستان سے اسے باعزت انخلا مل جائے۔ عالمی تجارت میں اس کے لیے جائز حصے کا بندوبست ہو جائے۔ کیوں کہ اس کا صنعتی ڈھانچہ بھی داؤ پر لگا ہوا ہے۔

پاکستانی عسکری اداروں کے ساتھ رفاقت کا امریکا کے پاس گزشتہ 70 سالہ تجربہ موجود ہے۔ امریکا نے جتنے بھی عالمی فورم بنائے، وہ سب کے سب اس کی بالادستی کی طرف زینہ ثابت ہوئے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں پاکستان نے علاقائی طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرکے ان کا اعتماد حاصل کیا ہے، جب کہ اس سارے عرصے میں امریکا کو اقوامِ عالم میں سوائے ناکامیوں کے کچھ نہیں ملا۔ آج اس کی نظرِ التفات پھر پاکستان پر ہے۔ امریکا کے مقابلے میں چین جیسی دیگر طاقتوں نے ایسی ٹیکنالوجی وضع کرلی ہے، جس نے ٹیکنالوجی کے میدان میں امریکا کی اجارہ داری کو توڑ دیا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ: ''امریکا آئندہ دس سالوں میں بھی اس جدید ٹیکنالوجی کا توڑ پیدا نہیں کرسکے گا۔'' کیوں کہ اگر اس کے پاس کوئی علاج ہوتا تو پاکستان کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے کی کوشش نہ کرتا۔ افغانستان میں روس کے خلاف جنگ کے دوران امریکا نے کبھی پاکستان کی کولیشن سپورٹ بند نہیں کی۔ آج وہ گھاٹی کے پھسلان کی ایسی ٹیک پر ہے، جس کے بعد اس نے مزید نیچے ہی گرنا ہے۔ ایسی حالت میں جو بھی اس کو سہارا دینے کی کوشش کرے گا، وہ بھی اسی کے ساتھ گرتا جائے گا۔

اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ پاکستانی مقتدرہ خطے کے علاقائی ملکوں کے ساتھ اپنے تعلقات درست کر رہی ہے اور امریکا سے بہ تدریج فاصلہ پیدا کرنے کی حکمتِ عملی پر کام کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کو علاقائی تنازعات حل کرنے کے لیے کوشاں ہونا چاہیے۔ چین، روس، افغانستان، انڈیا اور ایران ایسے ملکوں کے اجتماعی تعاون سے مسئلہ افغانستان اور مسئلہ کشمیر جیسے امور کو حل کرنے کی طرف جانا چاہیے۔ تاکہ یہ خطہ اپنی معاشی خوش حالی اور سیاسی طاقت کے ذریعے سے دنیا میں ایک مستحکم اور مضبوط کردار ادا کرنے کی اہلیت حاصل کرسکے۔ آج تک امریکا جیسے سامراجی ملکوں کے ساتھ تعلقات نے پاکستان کو سوائے معاشی تباہی اور سیاسی عدمِ استحکام کے اور کچھ نہیں دیا۔

www.rahima.org

## خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

# جمعۃ المبارک اور اجتماعیت

12/اپریل 2019ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ راولپنڈی کیمپس میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! دین اسلام اپنا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اور اس نظام کے قیام کے لیے ہی جمعہ کی اجتماعیت قائم کی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ میں جب حضور اکرمؐ تشریف لائے، آپؐ نے اپنی ریاست کی تشکیل کی، اس کا نظام بنایا تو جمعہ کی ادائیگی کا حکم بھی آ گیا کہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔'' (القرآن 9:92) گویا کہ اجتماعیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ اجتماعیت قائم ہوتی ہے اجتماعی حقوق پر بات کرنے اور اجتماعی حقوق کا شعور پیدا کرنے سے۔ اجتماعی نقطہ نظر سے انسانی مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ ان پر غور و فکر کیا جائے۔ جمعہ کا خطبہ انسانوں کے اجتماعی مسائل حل کرنے کے لیے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ذرا نبی اکرمؐ کے خطباتِ جمعہ کا مطالعہ کیجیے، حضرت عمر فاروقؓ کے خطبات پڑھیے، خلفائے راشدینؓ کے دیے ہوئے خطبات پڑھیے۔ وہ اپنے سننے والوں کے دلوں میں اجتماعیت سے متعلق سوالات اُبھارتے ہیں۔ مسائل کی نشان دہی کرتے اور انھیں حل کرنے کی حکمتِ عملی سمجھاتے ہیں۔ کیوں کہ جمعہ ایک تربیتی اجتماع ہے۔ اس سے کوئی محض مجمع اکٹھا کر کے اجتماعی طاقت کے علی الرغم لایعنی قصے سنانے کا مظاہرہ مقصود نہیں ہے۔

جمعہ کے اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے دین کے غلبے اور اس کی اجتماعیت کا شعور پیدا ہو۔ قومی آزادی کی سوچ اور حریت کا فکر سامنے آئے۔ اجتماعیت کو پیدا کرنے میں جو رُکاوٹیں اور رخنہ اندازیاں ہیں، ان کو سمجھا جائے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ڈیڑھ دو سو سالوں سے مسلمانوں کی اجتماعیت پیدا نہیں ہو رہی۔ کیوں زوال پیدا ہوا؟ کیوں اجتماعیت پارہ پارہ ہوئی؟ کون سی قوتیں اور طاقتیں ہیں جو ہماری اجتماعیت برقرار نہیں رہنے دینا چاہتیں؟ جب یہ بات کریں گے تو پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہماری اجتماعیت ٹوٹی کیوں؟ توڑنے والے کون ہیں؟ کون ہمارا دشمن ہے؟

آج غلامی کے زمانے میں جمعہ کا اجتماع بے نتیجہ ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر فرد کو انفرادیت میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ جمعہ کے خطاب میں اجتماعیت کا سبق دینے کے بجائے انفرادی نیکیوں میں اُلجھا دیا جاتا ہے۔ یہی اغوائے شیطانی ہے کہ انسان اجتماعیت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دے۔ اجتماعی ذمہ داریوں سے روگردانی کرے۔ انفرادی اور شخصی تصورات میں منہمک ہو جائے۔ آج ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کون سی قوتیں ہیں، جو ہماری اجتماعیت کو پارہ پارہ کر رہی ہیں۔ قرآن حکیم اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ زوال پذیر معاشروں میں اس کا بنیادی سبب ایسا فرعونی نظام ہوتا ہے، جو قوموں کو تقسیم کر کے اپنی حکمرانی قائم کرتا ہے۔ (القرآن 4:28)''

# اجتماعی معاشی ترقی کے لیے دستاویزی معیشت ہونا ضروری ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ارشادِ ربانی ہے کہ معاشرے میں ایسا مطمئن معاشی نظام ہو کہ ہر آدمی کی ضرورت پوری ہو۔ (112:16) صحیح امن بھی اسی سے قائم ہو سکتا ہے۔ اور معاشی نظام تبھی درست ہوتا ہے کہ جب حکومت مال داروں سے وسائل اکٹھے کرے اور غریبوں پر خرچ کرے۔ آج معاملہ یہ ہے کہ مال دار ٹیکس دینے کے لیے تیار نہیں، جب کہ ہر غریب آدمی پر ٹیکس ہے۔ بے چارہ ایک مزدور اپنی موٹر سائیکل میں صرف ایک لیٹر پیٹرول ڈلوانے پر پچاس ساٹھ روپے ٹیکس دیتا ہے۔ وہ موبائل کا سو روپے کا کارڈ ڈلواتا ہے تو تیس چالیس روپے اُسے ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ یہاں کے بڑے شاپنگ مالز کے مالکان جو روزانہ کئی کروڑ کی سیل کرتے ہیں، وہ جھوٹ بول کر اپنی پورے سال کی سیل پچاس لاکھ بتاتے ہیں۔ اور اس جھوٹ بولنے کے باقاعدہ ادارے اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ فرمیں ہیں، جو اُن مال داروں کی دولت کو چھپانے کے لیے کام کرتی ہیں۔

کچھ روز پہلے فیصل آباد کے ایک دوست نے بتایا کہ ہمارے ہاں کپڑے کا ایک متوسط تاجر روزانہ ایک کروڑ کی سیل کرتا ہے، جب کہ وہ پچاس لاکھ سالانہ ریٹرن جمع کراتا ہے۔ یہ صرف ایک دکاندار کی بات ہے۔ جب کہ فیصل آباد، لاہور اور دیگر شہروں کی بڑی مارکیٹوں میں پورا کا پورا کاروبار بغیر کسی دستاویز کے کیش اور پرچی پر چل رہا ہے۔ اب جب باقاعدہ بغیر تحریری دستاویز کے کاروبار ہوگا، جس کے نتیجے میں بہت کم ٹیکس حکومت کو دیا جائے گا، اسی کے مطابق ملک کی معاشی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے گا۔ بینکوں سے پیسہ نکال کر سارا کاروباری طبقہ کیش پر کام کر رہا ہو تو بینکوں کے کاغذات تو یہی شو کریں گے کہ ملک دیوالیہ ہونے کے قریب ہے، پیسہ ہے ہی نہیں۔

ٹیکس سے بچنے کے لیے تاجر کاروباری ٹرانزیکشن کی تحریری دستاویز درست طور پر لکھ کر دینے کے لیے تیار نہیں، بلکہ آج ساری کی ساری معیشت اُدھار پر ہے۔ کسی بھی مالیاتی ٹرانزیکشن میں اگر اُدھار آ جائے تو اس کی تحریری دستاویز کا ہونا ضروری ہے۔ اس حوالے سے قرآن حکیم کہتا ہے کہ: ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی وقتِ مقرر تک اُدھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور چاہیے کہ لکھ کر دے تمھارے درمیان کوئی انصاف سے لکھنے والا۔'' (282:2) لکھوانے والا صحیح لکھوائے اور لکھنے والا صحیح لکھے۔ جو گواہ بنایا جائے، وہ گواہی سے انکار نہ کرے۔ اس طرح پورا ڈاکومنٹ تیار ہونا چاہیے۔ آپ بتائیں کہ ہمارے معاشرے میں کوئی صحیح لکھتا ہے؟ سسٹم کی خرابی کا اندازہ لگائیے کہ خود حکومتی ادارہ جو ریونیو کلیکشن کے لیے ہے، وہ فراڈ کرتا ہے اور کراتا ہے۔ دھوکا دیتا ہے۔ غلط حسابات اور دستاویزات قبول کرتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ پچھلے چالیس سال میں فسادِ افغانستان اور دیگر ممالک میں سامراجی مداخلت کے لیے دیے گئے ریال اور ڈالرز کو چھپانا تھا۔ یہاں کے مذہبی طبقے اور عسکری قیادت کو استعمال کرنے کے لیے دیے گئے ڈالر اور ریال کو کسی ٹیکس قانون کے تحت جسٹیفائی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے ہر طبقے میں لوٹ کھسوٹ والا مافیا پچھلے چالیس سال سے موجود رہا ہے۔''

www.rahima.org

## دستاویزی معیشت کے اصولوں کو نظرانداز کرنے کا پس منظر

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''1977ء میں جنرل ضیاء کی آمد سے پہلے پاکستان ایک لیگل اور قانونی ریاست تھی۔ یہاں پر سوائے چند افراد کے لوگوں کے تمام اثاثے ڈکلیئرڈ ہوتے تھے۔ مجموعی طور پر یہاں کا بینکنگ سیکٹر، مالیاتی ڈسپلن اور اجتماعی نظام ایک درجے میں درست تھا۔ گو کہ سرمایہ دارانہ اصولوں پر تھا، لیکن ڈاکومنٹڈ تھا۔ جب سے افغانستان اور دیگر ممالک میں سامراجی مداخلت کے لیے یہاں کے اداروں کو استعمال کیا گیا، اس کے لیے دستاویزی معیشت کے اصولوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔ کیوں کہ فسادِ افغانستان میں کردار ادا کرنے کے لیے کسی مذہبی رہنما کے پاس جب لاکھوں ریال اور ڈالر آئیں گے اور وہ بینکوں میں جمع ہوں گے تو بینک اس کی تفتیش کرے گا کہ اُس کے اثاثے کس چینل سے آئے؟ وہ اپنے اثاثے ڈکلیئر کرنے کے لیے جواب دہ ہوگا۔ ایسے ہی ایک سیاست دان اور جرنیل کے پاس لاکھوں کروڑوں روپے اکاؤنٹ میں آئیں گے تو اس کے لیے کیا جسٹی فیکیشن ہوگی کہ یہ پیسے کہاں سے آئے؟ اسی طرح پورے ملک میں بالخصوص پنجاب میں تاجروں کی ایسی انجمنیں پھیلائی گئیں، جنھیں بغیر کسی دستاویزات کے کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے نتیجے میں ایک عام تاجر بھی دیکھتے ہی دیکھتے اربوں کھربوں کا مالک بن گیا۔

دستاویزی معیشت کسی بھی ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے، جب کہ پچھلے چالیس سال سے ملک میں پوری کی پوری معیشت غیر دستاویزی کر کے تباہ و برباد کر دی گئی ہے۔ آج اسی معیشت کو تباہ و برباد کرنے والے امریکا اور عالمی قوتوں کے دباؤ پر ایک وقت کے بعد ملک میں مال دار لوگوں سے صرف چند سالوں کا حساب و کتاب مانگا جا رہا ہے کہ بتاؤ پیسہ کہاں سے آیا۔ اگر حساب لینا ہی ہے تو پچھلے چالیس پچاس سالوں کا حساب لو۔ سب کے کھاتے کھولو۔ مولویوں، جرنیلوں، ججوں، وکیلوں اور تاجروں کی ٹرانزیکشنز کے ریکارڈ سامنے لاؤ۔ آج امریکا چوں کہ معاشی طور پر کمزور ہو گیا ہے، اُبھرتی ہوئی دو طاقتیں روس اور چین سامنے آ رہی ہیں، تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ پیسے کی ریل پیل کو باقاعدہ دستاویز میں لاؤ۔ ورنہ یہ دو طاقتیں اگر آ گئیں تو یہ جو ہم نے اپنے مقاصد کے لیے پیسے کو غیر قانونی طور پر استعمال کرنے کا آسان راستہ بنایا تھا، یہ روس اور چین استعمال نہ کر لیں۔

سورت البقرہ کا پورا رکوع دستاویزی معیشت کو واضح کرتا ہے کہ جو بھی لین دین ہو، اس کو تحریر میں لاؤ۔ ہمارے جمعہ کے خطبات میں غیر قانونی معیشت کے ناجائز ہونے پر کوئی گفتگو نہیں کی جاتی۔ کیوں کہ جمعہ میں آنے والے سارے کاروباری لوگ مسجد اور مدرسے کو چندہ دیتے ہیں۔ مولوی صاحب کو بھی لفافہ دیتے ہیں، ان کو مسجد بنوا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مولوی صاحب ان کی غلط معیشت پر کیسے سوال اٹھا سکتے ہیں؟ یہاں تاجران نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، عبادتیں کرتے ہیں، لیکن عملی طور پر قرآن کے اصولِ تجارت کے منکر ہیں۔''

## جمعہ کی اجتماعیت کا حقیقی مقصد

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''جمعہ کا اجتماع دین کے نام پر ہوتا ہے اور دین کے نظام کو غالب کرنے کی تدبیر سوچنا، حکمتِ عملی بنانا، اس کی تربیت حاصل کرنا، جمعہ کے اجتماع کا مقصد ہونا چاہیے۔ نہ کہ محض انفرادی نیکی کی تقریریں، ماضی کے قصے کہانیاں، انبیاؑ، صحابہؓ اور اولیائے کرامؒ کے ایسے واقعات (معجزات، کرامتیں وغیرہ) سنانا جنھیں عمل میں لانا عام انسان کے بس میں نہیں ہے۔ ایسے واقعات سن سن کر ہماری قوم مزید پست ذہن بنے گی کہ عمل سے بیزار ہو کر معجزات اور کرامتوں کے انتظار اور عقیدتوں کے زعم میں مبتلا ہو جائے گی۔ کیوں کہ انبیاؑ کے معجزات کبھی اُسوۂ حسنہ نہیں ہوا کرتے۔ وہ انبیاؑ کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اسوۂ حسنہ تو وہ ہوتا ہے کہ جس کا تعلق عمل سے ہو۔ جیسا کہ غزوۂ خندق میں حضورؐ نے ایرانیوں سے سیکھا ہوا طریقۂ خندق اپنا کر جرأت و ہمت اور تنظیمی نظم و ضبط سے دشمن کو شکست دی۔ اسے کہا گیا تمھارے لیے رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔

آج مسلمان زوال اور پستی کی حالت میں ہیں۔ ہمارا ملک سیاسی اور معاشی غلامی کے دور سے گزر رہا ہے۔ قرضوں کی معیشت میں جکڑا ہوا ہے۔ وزیراعظم کہتا ہے کہ ملک پر چڑھے ہوئے قرضوں کا روزانہ پانچ سو ارب روپے صرف سود ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور پانچ سال پہلے جو قرضہ آپ نے لیا تھا، اب اس کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے وغیرہ۔ اب اگر ہمارے جمعوں کے خطبوں میں جنات اور جادو ٹونے یا کرامات وغیرہ کے قصے کہانیاں بیان ہوں تو کیا انھیں سن کر قوم اپنے لیے ہوئے قرضوں سے چھٹکارا پا سکتی ہے؟ اپنے اوپر مسلط غلط سیاسی و معاشی نظام سے جان چھڑا سکتی ہے؟

آج دین کے غلبے کے نقطہ نظر سے انسانی اجتماعیت کو منظم کرنے، اپنی طاقت پیدا کرنے اور شعور کی بنیاد پر اپنے مسائل کو حل کرنے کی عقل پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جمعہ کے اجتماع سے یہ نتیجہ پیدا ہو تو یہ اجتماع مبارک ہوگا۔ اور اگر یہ عقل پیدا نہیں ہوتی تو مبارک کی ضد کیا ہوتی ہے؟ (لعنت)، اس سے ہمیں بچنے کی ضرورت ہے۔ آج اجتماعیت کا شعور ہو۔ اپنا فکر اور نظریہ درست کیا جائے۔ قومی نقطہ نظر سے صحیح سوالات کا تعین کر کے اس پر مکالمہ، مباحثہ کیا جائے۔ تشدد، نفرت، دہشت گردی، قتل و غارت گری کی سوچ سے علاحدگی اختیار کر کے عدم تشدد کے اصول پر بات کو سمجھنا سمجھانا اور اجتماعی مسائل پر غور و فکر کر کے ایک واضح لائحۂ عمل تیار کرنا آج ہماری قوم کی ضرورت ہے۔ غلامی کے تصورات سے نکلنا، نوآبادیاتی دور کے نظامِ تعلیم سے برأت کا اعلان کرنا، نظامِ سیاست، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت کو صحیح طور پر سمجھنا، اس کا نظام بنانے کی فکر کرنا، اس کے لیے حکمتِ عملی ترتیب دینا، یہ آج ہمارا سب کا اجتماعی فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل و شعور نصیب فرمائے۔ دین کے غلبے کے نقطہ نظر سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہو۔ آمین!''

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

# ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ

تحریکِ شیخ الہندؒ میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ کا بھی ہے، جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد تاحیات ان کے مشن پر کاربند رہے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ 25 دسمبر 1880ء کو یوسف پور، ضلع غازی پور میں عبدالرحمٰن انصاری کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدراس میڈیکل کالج سے میڈیکل کی ڈگری حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ 1905ء میں ایم ڈی اور ایم ایس کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ ایک ذہین طالب علم ہونے کی وجہ سے لندن لاک ہسپتال اور چیرنگ کراس ہسپتال میں بہ طور ڈاکٹر اپنی خدمات سرانجام دیں۔

1910ء میں ملک میں واپسی کے بعد سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنی طبی خدمات کو بھی جاری رکھا اور دہلی کے چاندنی چوک میں اپنا ہسپتال قائم کیا۔ دہلی میں قائم ان کی رہائش گاہ ملکی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ انھی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی ان کا شمار ممتاز قومی رہنماؤں میں ہونے لگا۔ اسی دوران ان کا تعارف حضرت شیخ الہندؒ سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے دو بھائی حکیم عبدالوہاب اور حکیم عبدالرزاق بھی حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کے ساتھ منسلک ہو چکے تھے۔

1912ء میں جنگِ بلقان کے دوران ہندوستان سے ایک طبی وفد ترکی گیا تو اس وفد میں ڈاکٹر انصاریؒ پیش پیش تھے۔ 1913ء میں دہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو دہلی بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت کے ساتھ کروایا تھا، اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملوانا چاہتے تھے۔ اس غرض سے وہ دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاریؒ سے میرا تعارف کروایا۔ ڈاکٹر انصاریؒ نے مجھے مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ملوایا۔''

نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی درحقیقت ایک تربیت گاہ تھی، جس میں تحریکِ آزادی کے لیے رجالِ کار تیار کرنا مقصد تھا۔ ڈاکٹر انصاریؒ اس مرکز کے صدر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ امامِ انقلابؒ اس مرکز کے تربیتی نگران تھے اور اس کے سرپرست حضرت شیخ الہندؒ ہفتے میں ایک مرتبہ دہلی تشریف لاتے اور گریجویٹ طبقے کی تربیت فرماتے تھے۔ ان حالات میں ڈاکٹر انصاریؒ کی سیاسی تربیت ہوئی تھی۔ دہلی میں قائم ہونے والا یہ مرکز آزادی کے متوالوں کے لیے ایک خفیہ مشورہ گاہ بھی تھا۔

برعظیم کی تاریخ میں یہ وہ دور تھا، جب سیاسی سرگرمیاں اور جدوجہدِ آزادی اپنے عروج پر تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقا کی مدد سے تحریکِ ریشمی رومال کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ انگریز حکومت حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کا ارادہ کر چکی تھی، جس کی خبر کسی طریقے سے ڈاکٹر انصاریؒ کو ہوئی تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو بتا دیا۔ حج کے دن بھی تھے تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریک کی سرگرمیوں کے لیے جب حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز جانے کا ارادہ فرمایا تو اس سفر کا مکمل انتظام اور مصارف ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ نے ادا کیے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کا بنیادی مقصد چوں کہ ہندوستان کی کامل آزادی کا حصول تھا، اس لیے تحریکِ ریشمی رومال میں امام انقلابؒ کے کابل اور حضرت شیخ الہندؒ کے حجاز تشریف لے جانے کے بعد دہلی کے مرکز کی مکمل نگرانی انھوں نے فرمائی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اسارتِ مالٹا کے دوران ڈاکٹر انصاریؒ نے دیگر رفقا کے ساتھ مل کر ''انجمن اعانتِ نظر بندانِ اسلام'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر حریت پسندوں کی رہائی کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ اس انجمن کا صدر دفتر دہلی اور ذیلی شاخیں پنجاب، یو۔پی، الٰہ آباد، بنارس، گورکھ پور، غازی پور، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بہار، کلکتہ، مدراس اور سندھ میں قائم کی گئیں۔ اس جدوجہد سے حکومت غافل نہیں تھی۔ اس نے ان پر مقدمہ چلایا اور پوچھا کہ تم لوگ حکومت کے باغیوں کی امداد کر رہے ہو؟ ڈاکٹر انصاریؒ نے فرمایا کہ: ''وہ ہمارے مذہبی پیشوا ہیں، اگرچہ وہ حکومت کے خلاف ہیں، اس لیے ہم ان کی حمایت کرتے ہیں۔'' چوں کہ ڈاکٹر انصاریؒ قانون سے واقف تھے، اس لیے حکومت نے ان کو فوری بری کر دیا۔

یہ ڈاکٹر انصاریؒ ہی تھے، جنھوں نے اپنے سیکرٹری عبدالعلی خاں رام پوریؒ کو دیوبند اس غرض سے بھیجا کہ وہ اس تحریک کے لیے تائید حاصل کریں۔ ڈاکٹر انصاریؒ کی بیگم صاحبہ بھی حضرت شیخ الہندؒ سے عقیدت رکھتی تھیں۔ انھوں نے بھی ایک خط حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں ارسال کیا اور اس مسئلے کی جانب توجہ دلائی۔ اس زوردار تحریک کا اثر یہ ہوا کہ انگریز اس بات پر مجبور ہو گیا کہ حریت پسندوں کی رہائی عمل میں لائی جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ جب ہندوستان واپس تشریف لائے تو دہلی اسٹیشن سے ڈاکٹر انصاریؒ کی کوٹھی دریا گنج تشریف لے گئے۔ تمام دن دور دراز سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، جن کے آرام اور ضیافت کا انتظام ڈاکٹر انصاریؒ خود کرتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے قائم کردہ ادارے جامعہ ملیہ علی گڑھ (بعد میں دہلی) کے قیام کے بعد تمام مالی مصارف خلافت کمیٹی کے ذمے تھے، لیکن تحریکِ خلافت کے بعد جب اس ادارے کی مالی مشکلات میں اضافہ ہوا تو حکیم اجمل خانؒ اور دیگر رفقا کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انصاریؒ نے بھی دل کھول کر اس ادارے کی مالی اعانت کی اور اس مشکل سے ادارے کو نکالا۔ آخر تک اس ادارے کی سرپرستی کی۔

ڈاکٹر انصاریؒ 1927ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ تحریکِ ترک موالات اور تحریکِ خلافت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکیم محمد اجمل خانؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ کے مشورے سے 1928ء میں جامعہ ملیہ دہلی کے چانسلر بنے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ان کے آخری ایام میں بھی خدمت کرنے والی یہ ہستی 10 مئی 1936ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔ ان کی تدفین جامعہ ملیہ دہلی کے قبرستان میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قومی جدوجہد کو شرفِ قبولیت بخشے، ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں جدوجہدِ آزادی کے راہنماؤں کے عظیم مشن پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

www.rahimia.org

منظوم کلام

زاہد حسین آزاد، لیاقت پور

# 'امامِ عزیمت'

خراجِ عقیدت بہ حضور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ

لیے انبیاؑ کی حقیقی وراثت ، امامِ عزیمت
وہ پیغام دے کر گئے ہیں محبت ، امامِ عزیمت

نبیؐ کا مشن ، انقلابی ، سبھی کو وہ سمجھا گئے
جماعتِ صحابہؓ سے تھی ان کی نسبت ، امامِ عزیمت

نظریہ دیا ہم کو غلبۂ دیں کا ، وہ ہے سب سے اعلیٰ
شریعت ، طریقت ، سیاست سے رغبت ، امامِ عزیمت

انفرادی ذہن رکھنے والوں کو شمع جماعت کی دی
وہ سکھاتے رہے کہ ''جماعت میں قوت'' ، امامِ عزیمت

تاریخِ مسلم عبارت ہے عدل و مساوات سے
''اجتماعی نظریہ'' تھی ان کی طبیعت ، امامِ عزیمت

ہے دورِ غلامی ، مگر حریت کا درس دے گئے ہیں
عالَم پہ حاوی ہے ان کی بصیرت ، امامِ عزیمت

فرعونی نظاموں ، سماجوں کے رستے میں حائل ہوئے
الٰہی نظریے سے ان کی عقیدت ، امامِ عزیمت

ہے قرآں کی دعوتِ فکر و عمل ، ہم سبھی کے لیے
خدمتِ آدمیت تھی شاملِ دعوت ، امامِ عزیمت

ہے آزادؔ دل کی دعا میرے مولا ، تری بارگاہ میں
تو بارانِ رحمت سے بھر ان کی تُربت ، امامِ عزیمت

# دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

**سوال** کیا حج یا عمرے کے افعال کی ادائیگی کے بعد حلق یا قصر کے لیے محرم اپنا یا کسی دوسرے شخص کا حلق یا قصر کرسکتا ہے؟ اس پر جزا واجب ہوگی یا نہیں؟

**جواب** محرم حلال ہونے کے وقت اپنا یا کسی دوسرے شخص کا سر حلق یا قصر کرسکتا ہے، اس پر کوئی جزا نہیں آئے گی۔

**سوال** میرے پاس 4 تولے سونا ہے اور کچھ نقدی بھی ہے۔ کیا میرے اوپر قربانی فرض ہے یا نہیں؟

**جواب** اگر چار تولہ سونا اور نقدی، ضرورت سے زائد ملکیتی سامان کی قیمت بقرعید کی صبح صادق کے وقت ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے، یا اس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی خود موجود ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اگر اس مذکورہ نصاب سے کم ہے تو قربانی واجب نہیں۔

**سوال** آج کل رش کی وجہ سے معلّمین کی بسیں حاجیوں کو مکہ یا عزیزیہ وغیرہ کی بلڈنگوں سے ساتویں اور آٹھویں ذوالحجہ کی درمیانی رات ہی کو منیٰ لے جاتی ہیں۔ تو احرام کہاں سے باندھا جائے؟ کیوں کہ احرام تو آٹھویں کی صبح کو باندھنا ہوتا ہے۔

**جواب** احرام باندھنے کی سب سے بہتر جگہ بیت اللہ الحرام ہے۔ اس کے بعد ان کی مستقل یا عارضی رہائش گاہ ہے۔ خواہ ساتویں اور آٹھویں کی درمیانی شب ہی سے منیٰ میں جانا ہو، منیٰ میں جا کر احرام نہیں باندھنا چاہیے۔

**سوال** ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس کے ورثا میں ایک حقیقی بیٹا، دو بیٹیاں اور ایک بیوہ زندہ ہیں۔ متوفّٰی کے ترکے میں 5 مرلے کا مکان قیمت تقریباً دو لاکھ نقدی، دو عدد گائے، پانچ ہزار اینٹ و دیگر گھریلو سامان، ایک عدد ٹوکہ مشین، نلکا، بجلی میٹر، کپاس 3 کنال اور چارہ وغیرہ موجود ہیں۔ ان کی تقسیم ورثا میں کیسے ہوگی؟

**جواب** متوفی کی وراثت منقولہ وغیر منقولہ کے کل 32 حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے متوفی کی بیوہ کو چار حصے، بیٹے کو چودہ حصے اور بیٹیوں کو سات سات حصے ملیں گے۔

**سوال** عبداللہ کے دو گھر ہیں: ایک شہر میں ہے اور دوسرا گھر گاؤں میں ہے۔ کیا عبداللہ اپنا قربانی کا جانور جو کہ گاؤں میں ہے، نمازِ عید سے پہلے صبح صادق کے بعد ذبح کرا سکتا ہے؟ یا نمازِ عید کے بعد ہی قربانی جائز ہوگی؟

**جواب** اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے یا وہ جانور پہلے سے گاؤں میں موجود ہو تو اس کی قربانی صبح صادق کے بعد نمازِ عید سے پہلے بھی درست ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔